Al-Mīthāq *(Research Journal of Islamic Theology)*
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 01, January - March 2026, **PP**: 184-194
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

بین التہذیبی اور بین الثقافتی تقارب وہم آہنگی: سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

Inter-civilizational and Intercultural Harmony and Integration: In the Light of the Seerah of the Prophet Muhammad ﷺ

1. Dr. Tahira Firdous — *Assistant Professor, University of Balochistan, Quetta.*
drtahirairfan@gmail.com

How to Cite:	Dr. Tahira Firdous. 2026: "Inter-civilizational and Intercultural Harmony and Integration: In the Light of the Seerah of the Prophet Muhammad ﷺ". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 5 (01): 184-194.
Article History:	**Received**: 25-02-2026 / **Accepted**: 21-03-2026 / **Published**: 31-03-2026

Copyright: ©**The Authors**

Licensing: This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE *of Social Sciences Research & Development*

بین التہذیبی اور بین الثقافتی تقارب وہم آہنگی: سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

Inter-civilizational and Intercultural Harmony and Integration: In the Light of the Seerah of the Prophet Muhammad ﷺ

Dr. Tahira Firdous
Assistant Professor,
University of Balochistan, Quetta.
drtahirairfan@gmail.com

Abstract

The concept of inter-civilizational and intercultural harmony has gained increasing importance in the modern world, characterized by diversity, globalization, and cultural interaction. This study examines the principles of harmony and integration as reflected in the life and teachings of Prophet Muhammad (ﷺ), presenting them as a comprehensive model for peaceful coexistence and mutual respect among different societies. The Prophetic biography provides practical examples of dialogue, tolerance, justice, and coexistence, particularly through historical developments such as the Constitution of Madinah, agreements with non-Muslim communities, and the Prophet's interactions with diverse social groups. These examples illustrate a balanced approach that combines commitment to faith with respect for others, thereby establishing a sustainable framework for social harmony. From a philosophical perspective, the study argues that the Prophetic model promotes universal ethical values such as human dignity, justice, and compassion, which transcend cultural and civilizational differences. It also highlights that true integration does not require the loss of identity but encourages constructive engagement based on shared moral principles. The study concludes that the life and teachings of Prophet Muhammad (ﷺ) offer a timeless and practical model for fostering inter-civilizational and intercultural harmony, which can effectively address contemporary challenges such as conflict, intolerance, and social division.

Keywords: *Prophetic Biography, Inter-Civilizational Harmony, Intercultural Relations, Social Integration, Ethical Values, Human Dignity.*

تعارفِ موضوع

تہذیب وہ معاشرتی ترتیب ہے جو ثقافتی تخلیق کو فروغ دیتی ہے تہذیب معاشرے کی طرز زندگی اور فکر واحساس کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی قوم کی تہذیب نام ہے اس کے علوم و آداب، فنون لطیفہ، ضائع وبدائع اطوار معاشرت، انداز تمدن اور طرز سیاست کا مگر حقیقت میں یہ نفس تہذیب یا تہذیب کے نتائج و مظاہر میں تہذیب کی اصل نہیں ہیں، شجر تہذیب کے برگ و بار ہیں۔ کسی تہذیب کی قدر و قیمت ان ظاہری صورتوں اور نمائشی ملبوسات کی بنیاد پر متعین نہیں کی جاسکتی۔ ان سب کو چھوڑ کر ہمیں اس کی روح تک پہنچنا چاہیے اور اس کے اساسی اصول کا تجسس کرنا چاہیے۔[1]

مقالہ نگار کی نظر میں کسی معاشرے کی بامقصد تخلیقات اور سماجی اقدار کے نظام کو تہذیب کہتے ہیں، تہذیب اور تمدن بہتر زندگی گزارنے کے فن کا نام ہے۔ بہتر زندگی گزارنے کا فن دو اصلی بنیادوں پر استوار ہے:

- مفہوم زندگی۔
- وہ اقدار و مقاصد کو جو بہتر زندگی کی پہچان کا معیار ہیں۔

ہر مقام پر اور ہر دور میں زندگی گزاری جانے میں تمام تر اختلافات کے باوجود انسانوں کے مابین مفہوم زندگی اور اس کے مطلوبہ اقتدار و مقاصد کے بارے میں بہت سے مشترک الفاظ اور تصورات موجود ہیں۔ تہذیب کے مفہوم میں زندگی کے معیارات کے علاوہ بہتر زندگی کے حصول کا طریقہ بھی شامل ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نے تہذیب کے معنی بہتر جینے کا فن لیا ہے۔ انسان کے بغیر تہذیب کا وجود ممکن نہیں۔ حقیقت تہذیب خالص انسانی تخلیق ہے اور انسان ہی اس کا واحد ضامن ہے لیکن تہذیب کے لیے کوئی نسلی شرائط نہیں۔ یہ کسی بھی براعظم اور کسی بھی رنگ و نسل اور شہر و ملک میں پیدا ہو سکتی ہے۔ کوئی بڑی نسل تہذیب کو پیدا نہیں کرتی بلکہ یہ تہذیب ہی ہے جو قوموں کو پیدا کرتی ہے۔ جغرافیائی اور معاشی حالات کلچر کو بیدار کرتے ہیں اور پھر ایک نمونہ تخلیق کرتا ہے۔ انگریزوں نے انگریزی تہذیب کو تخلیق نہیں کیا بلکہ اس (تہذیب) نے ان کو تخلیق کیا ہے اگر وہ اسے اپنے ساتھ ساتھ لیے پھرتا ہے اور مخصوص لباس پہن کر کھانا کھاتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس وقت نئی تہذیب تخلیق کر رہا ہے بلکہ وہ اپنی روح پر اس تہذیب کی حکمرانی تسلیم کرتا ہے۔ ایسے ہی مادی حالات کسی اور نسل کے پاس ہوں تو وہ ایسے ہی نتائج پیدا کرے گی۔ جاپان بیسویں صدی میں انگلستان کی انیسویں صدی کی تاریخ نئے سرے سے پیدا کر رہا ہے۔ تہذیب صرف اس اعتبار سے نسل سے تعلق رکھتی ہے کہ وہ قوم میں رچ بس جاتی ہیں۔ مختلف نسلوں کی سست رو باہمی شادیاں اس کی پیش رو ہوتی ہیں اور وہ بتدریج نسبتاً متجانس ہے کہ تہذیبیں نسلی روح کی سیڑھیاں ہوتی ہیں جس طرح خاندانی افزائش اور پھر تحریر نسلوں کو آپس میں مربوط کرتی ہیں۔ مرتے ہوئے لوگوں کی روایات کو نوجوانوں کے حوالے کرتی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ مرنے سے پہلے اپنی تہذیبی وراثت کو اپنے بچوں کے سپرد کر دیں۔[2] بین التہذیبی ہم آہنگی کے تصورات کے حوالے سے چار بنیادی تصورات قائم ہوتے ہیں۔ یہ تصورات ستون کی سی حیثیت رکھتے ہیں اور انہی پر محبت و ہم آہنگی کی عمارت قائم ہوتی ہے۔

پہلا اور بنیادی تصور: انسان خدا کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے

مسیحیت اور اسلام، دونوں عظیم مذاہب اپنے پیروکاروں کو اس بات کی خوشخبری دیتے ہیں کہ اللہ نے انسانوں کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ بائبل مقدس میں انسان کی تخلیق کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

پھر خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں گے۔[3]

بائبل مقدس کی آیت کے معنی و مفہوم کی تصدیق اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی سے لڑے تو اس کے چہرے پر نہ مارے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔[4] حدیث نبوی اور بائبل مقدس میں انسان کو اللہ کی صورت کے حوالے سے بیان کرنا لفظی معنی میں نہیں بلکہ اس میں اضافت تشریف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی تخلیق کی نسبت صرف اس لیے کی گئی ہے تاکہ دیگر مخلوقات پر انسان کی فضیات وعظمت واضح ہو جائے۔

دوسرا بنیادی تصور: الہامی کتب کے نزول کا مقصد تکریم انسانیت اور قیام امن ہے

قرآن مجید میں نزول کتب سماوی کی سب سے اہم وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَ أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ

بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ۔[5]

(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر جمع تھے، (پھر جب ان میں اختلافات رونما ہو گئے) تو اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبروں کو بھیجا اور ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں میں ان امور کا فیصلہ کر دے جن میں وہ اختلاف کرنے لگے تھے۔

یعنی کتب مقدمہ کے نزول سے انبیاء علیہم السلام ان معاملات کو نپٹا سکیں جنہوں نے نسل انسانی کا سکون اور اطمینان برباد کر دیا تھا۔ بائبل مقدس میں بھی نزول کتب کی یہی وجہ بیان کی گئی ہے کتاب زبور میں ارشاد ہوتا ہے:

احمق اپنی خطاؤں کے سبب سے اور اپنی بدکاری کے باعث مصیبت میں پڑتے ہیں۔ ان کے جی کو ہر طرح کے کھانے سے نفرت ہو جاتی ہے اور وہ موت کے پھاٹکوں کے نزدیک پہنچ جاتے ہیں۔ جب وہ اپنی مصیبت میں خداوند سے فریاد کرتے ہیں اور ان کو ان کے دکھوں سے رہائی بخشتا ہے اور اپنا کلام نازل فرما کر ان کو شفاء دیتا ہے اور ان کو ان کی ہلاکت سے رہائی بخشتا ہے'۔[6] قرآن مجید اور بائبل مقدس کی آیات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے قرآن مجید سمیت تمام کتب اور صحیفوں کے نزول کا مقصد یہ تھا کہ لوگ ان کتب کی روشنی میں اپنے اضطراب وانتشار کو وحدت اور سکون وطمانیت میں بدل سکیں اور اپنے اختلافات کو ختم کر کے جسد واحد کی طرح متحدہ ہو سکیں۔ ان کتب کا مقصد یہ تھا کہ انسان کو اس کی ڈالی، جسمانی اور معاشرتی پریشانیوں سے نجات دلا کر امن ومحبت کے ساتھ زندگی گزارنے کے قابل بنایا جائے۔ مگر حیرت ہے کہ ہمارے آج کے نام نہاد دینی وسیاسی راہنماؤں کی مذہبی تعبیرات نے خود فرد کی ذہنی حالت اور معاشرے کے امن کو بگڑنے میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔

اللہ نے اپنی کتب اپنے محبوب بندوں کے وسیلے سے ہر شخص کی ہدایت ورہنمائی کے لیے نازل فرمائیں تھیں کہ نہ کسی سیاسی جماعت یا گروپ کے لیے اور نہ ہی کسی تہذیب کے لیے، اللہ کا پیغام سب کے لیے عام تھا اور اس پیغام کی روشنی میں ہر فرد خاص تھا۔

دینی قیادت کا معیار: بائبل مقدس کی روشنی میں

بائبل مقدس نے دینی قیادت کا معیار ان لفظوں میں پیش کیا ہے کہ یہ بات سچ ہے کہ جو شخص نگہبان کا عہدہ چاہتا ہے وہ اچھے کام کی خواہش کرتا ہے۔ پس نگہبان کو بے الزام، ایک بیوی کا شوہر، پرہیز گار، متقی، شائستہ، مسافر پرور اور تعلیم دینے کے لائق ہونا چاہیے نشہ میں غل مچانے والا یا مار پیٹ کرنے والا نہ ہو بلکہ حلیم ہو، نہ تکراری نہ زردوست، اپنے گھر کا بخوبی بندوبست کرتا ہو اور اپنے بچوں کو کمال سنجیدگی سے تابع رکھتا ہو (جب کوئی اپنے گھر ہی کا بندوبست کرنا نہیں جانتا تو خدا کی کلیسیا کی خبر گیری کیونکر کرے گا) نومرید نہ ہو تاکہ تکبر کر کے کہیں ابلیس کی سی سزا نہ پائے اور باہر والوں کے نزدیک بھی نیک نام ہونا چاہیے تاکہ ملامت میں اور ابلیس کے پھندے میں پھنسے۔[7] یہی بات حضرت علی بن ابی طالب نے یوں فرمائی ہے کہ "جو لوگوں کو پیشوا بنتا ہے تو اسے دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے کو تعلیم دینی چاہیے اور زبان سے درس اخلاق دینے سے پہلے اپنی سیرت وکردار سے تعلیم دینی چاہیے اور جو اپنے نفس کی تعلیم وتادیب کرلے وہ دوسروں کی تعلیم وتادیب کرنے والے سے زیادہ حترام کا مستحق ہے۔[8] حقیقی قیادت تو وہی ہے جو معاشرے میں امن، محبت اور بھائی چارہ کے فروغ کا باعث بنے۔ آپ ﷺ کے نزدیک ان (صحابہ) میں وہ افضل تھا جو خیر خواہی کی باتیں کرتا اور آپ ﷺ کے نزدیک وہ بڑے مرتبہ والا ہوتا جو لوگوں کے لیے نفع رساں اور موجب تقویت ہوتا۔[9]

تیسرا تصور: طعن فی الدین (وطعنوا فی دینکم) کی ممانعت

مسیحی مسلم مکالمہ محبت میں سنجیدہ علمی اختلاف کی اجازت ہے مگر طعن فی الدین کی قطعاً ممانعت ہونی چاہیے۔ قرآن مجید

میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَان نَکَثُوا أَیْمَانَہُمْ مِنْ بَعْدِ عَہْدِہِمْ وَطَعَنُوا فِي دِینِکُمْ فَقَاتِلُوا آئِمَّۃَ الْکُفْر ۔ اِنَّہُمْ لا أَیْمَانَ لَہُمْ لَعَلَّہُمْ یَنْتَہُونَ۔[10]

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم (ان) کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو بے شک ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تاکہ وہ (اپنی فتنہ پروری) سے باز آجائیں۔

طعن کے لغوی معنی ہے نیزہ کا وار کرنا، اسی طرح ہر وہ بات جو دل کو دکھ پہنچانے والی ہو اس کو بھی استعارہ کے طور پر طعن کہتے ہیں۔ "طعن فی الدین" کا مطلب یہ ہے کہ اہل دین کی دل آزاری یا دین کے وہ عقائد واحکام جو دلائل عقلیہ سے قطعی ثابت ہیں ان کا مذاق اڑایا جائے۔ آیت کا مفہوم ہے کہ اے مسلمانو! تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں، پھر وہ لوگ (بھی جوابا) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر فرقہ (وجماعت) کے لیے ان کا عمل (ان کی آنکھوں میں) مرغوب کررکھا ہے (اور وہ کسی حق کو سمجھتے رہتے ہیں) پھر سب کو اپنے رب ہی طرف لوٹا ہے اور وہ انہیں ان اعمال کے نتائج سے آگاہ فرمادے گا جو وہ انجام دیتے ہیں۔[11]

بائبل مقدس نے بھی طعن فی الدین نہ کرنے کی ان لفظوں میں تعلیم دی مگر بیوقوفی کی محبتوں اور نسب ناموں اور جھگڑوں اور لڑائیوں سے جو شریعت کی بابت ہوں پرہیز کر اس لیے کہ یہ لاحاصل اور بے فائدہ ہیں۔[12] مسیحی مسلم مکالمہ محبت میں خلوص نیت پر مبنی علمی اور عظمی اختلاف کو ادب اور احترام کے دائرے میں اجازت تو ہے مگر طعن فی الدین کی قطعا اجازت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ عمل معاشرے میں فتنہ وفساد کا باعث بنے گا۔ اختلاف کے انداز و آداب سے انسان کی فطرت اور نیت ظاہر ہو جاتی ہے۔

چوتھا تصور: کائنات کی سب سے بڑی کرامت خدمت خلق ہے

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے نیک بندوں سے خواہ وہ مسیحی ہوں یا مسلم کرامت اور خرق عادت کا ظہور برحق ہے۔ جمہور علماء اسلام، فقہاء محدثین اور مشائخ وصفیاء سب ظہور کرامات کے قائل ہیں اور علمائے اسلام نے اس پر مستقل کتب بھی لکھی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے:

الا إِنَّ أَوْلِیَاءَ اللہِ لَا خَوْفٌ عَلَیہِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُونَ ۔ الَّذِینَ آمَنُوا وَکَانُوا یَتَّقُونَ ۔[13]

خبر دار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ وغمگین ہوں گے (وہ) ایسے لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (ہمیشہ) تقوی شعار رہے۔

کرامات کا ظہور برحق ہے یسوع مسیح نے اپنے بارہ حواریوں کو اپنے پیغام کی تبلیغ پر بھیجتے وقت ان کو کرامات پر قدرت بخشی آپ نے فرمایا" بیماریوں کو اچھا کرنا، مردوں کو جلانا، کوڑھیوں کو پاک صاف کرنا، بدروحوں کو نکالنا، تم نے مفت پایا مفت دینا۔[14] امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اولیاء اللہ کا خاص راستہ ہے جس میں سیدنا محمد ﷺ کی اتباع کی ضرورت نہیں، وہ کافر ہے اور اولیاء الشیطان میں داخل ہے۔[15] لہذا حق بات یہ ہے کہ سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ انسان اللہ کی رضا کے لیے اس کی مخلوق کی خدمت میں اپنی زندگی بسر کردے۔ پولس نے کیا خوبصورت بات کہی: اگر میں آدمیوں اور فرشتوں کی زبانیں بولوں اور محبت نہ رکھوں تو میں پیتل ہوں اور اگر مجھے نبوت ملے اور سب بھیدوں اور کل علم کی واقفیت ہو اور میرا ایمان یہاں تک کامل ہو کہ پہاڑوں کو ہٹادوں اور محبت نہ رکھوں تو میں کچھ بھی نہیں۔[16]

اسلام اور مسیحیت نے ہمیشہ اپنے پیروکاروں کو یہی تلقین کی ہے کہ اگر دنیا میں کسی معاملے میں دوسروں پر سبقت لے جاتی ہے تو وہ دوسروں کے سامنے کرامات رکھا کر نہیں بلکہ کسی دکھی دل کو سکون پہنچانے میں لے جانی چاہیے۔ نیکی اور محبت کے کاموں میں سبقت لے جانا ہی سب سے بڑی کرامت ہے چنانچہ پولس کہتے ہیں: "خیرات کے کاموں میں بھی سبقت لے جاؤ۔[17] قرآن مجید نے بھی اس تعلیم کی تصدیق فرمائی ہے کہ تم نیکیوں میں جلدی کرو۔[18] "مولانا ابوالکلام آزاد سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں کیسی خوبصورت اور حق بات لکھتے ہیں کہ خدا کی محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزری ہے جو انسان چاہتا ہے کہ خدا سے محبت کرے، اسے چاہئے کہ خدا کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے۔[19]

یہ وہ چار بنیادی تصورات ہیں جن کو نظر انداز کر کے کسی بھی حقیقی اور سنجیدہ محبت کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ تہذیبوں اور قوموں کے درمیان مسابقت اور کش مکش انسانی تاریخ کی کوئی نئی بات نہیں۔ عہد حاضر میں یہ کش مکش ایک خوفناک جنگ میں تبدیل ہوتی نظر آتی ہے مغربی تہذیب و معاشرت اور اسلامی تہذیب و معاشرت، دو مختلف طریقہ ہائے زندگی میں ان دونوں تہذیبوں میں مشترک قدریں کم ہیں اور تضاد و تخالف کے پہلو زیادہ ہیں۔ لیکن ہم آہنگی اور تقارب کے حوالے سے ہر تہذیب اور ثقافت میں چند نمایاں پہلو اپنی اصلیت کو واضح کرتے ہوئے یہ مانتے ہیں کہ ساری تہذیبیں انسانی زندگی کی چند عام اور بنیادی قدروں پر متفق ہیں۔ سچائی، انصاف، عہد، امانت جریہ جھوٹ، ظلم، بدعہدی اور خیانت ی ہمدردی، رحم، فیاضی، اور فراخدلی خودغرضی، جنگ دلی، بخلی، اور تنگ نظری کو سب تہذیبیں تعریف کا مستحق سمجھتی ہیں۔ بدعہدی کو برا کہتے ہیں فراخدالی کی قدر کرتے ہیں۔ صبر و تحمل، ضبط نفس، نرمی اور شائستگی سب کے نزدیک خوبیاں ہیں۔ چھچھوراپن، بندگی نفس، درشتی اور کج خلقی سب کے یہاں برائیاں ہیں۔ فرض شناسی، وفاشعاری، مستعدی اور احساس ذمہ داری کی سب عزت کرتے ہیں۔ فرض شناسی، بے وفائی، کام چوری اور غیر ذمہ داری سب بری نگاہ سے دیکھتے ہیں اسی طرح سماجی زندگی کے لیے نظم وضبط، ڈسلپن، تعاون امداد باہمی آپس کی محبت خیر خواہی اور اجتماعی انصاف کو سبھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہ قدریں انسانی زندگی اور انسانی سماج کی عام قدریں ہیں کسی مذہب اور تہذیب کی ان پر اجارہ داری نہیں یہ ہر تہذیب کی یکساں میراث ہیں۔ کراہم فلر کا دعویٰ ہے کہ عیسیٰ مسیح، کنفوشس یا پیغمبر کے حوالے سے تہذیبی تصادم اتنا زیادہ گہرا نہیں، جتنا یہ عالمی قوت، دولت اور اثرو رسوخ کی غیر مساویانہ تقسیم پر ہے۔[20]

مغرب کا نقطہ نظر

پروفیسر میمویل پی ہن منگٹن کا بنیادی مقصد عالمی سطح پر مغرب کے مفادات، دولت، قوت اور اثرو رسوخ کا تحفظ ہے اس حوالے سے ان کا کہنا ہے کہ مغرب کی روبہ زوال قوت کے تناظر میں مغربی تہذیب کے تحفظ کے لیے امریکہ اور یورپی ممالک کا مفاد اس میں ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ باہمی سیاسی، اقتصادی اور فوجی یکجہتی حاصل کریں اور اپنی پالیسیوں میں اس طرح تال میل کریں تا کہ دوسری تہذیبوں سے تعلق رکھنے والی مملکتوں کو ان کے درمیان اختلافات سے فائدہ اٹھائے ہوئے مزاحمت سے باز رکھا جاسکے۔ اسلامی اور چینی مملکتوں کو روایتی اور غیر روایتی فوجی قوت کے حصول اور فروغ سے باز رکھا جاسکے کیونکہ دوسری تہذیبوں کے امور میں مغرب کی مداخلت، کثیر تہذیبی دنیا میں عدم استحکام اور عالمی تصادم کا شاید سب سے زیادہ خطرناک سبب اور ذریعہ ثابت ہوسکتی ہے۔[21] انہوں نے مغربی تہذیب کی جو مخالفت کی ہے، اس کی وجہ سیاسی ہے۔ یورپی اقوام نے ایشیاء اور افریقہ کی کمزور اقوام کو اپنا غلام بنالیا اور اپنے سیاسی تسلط کو مضبوط بنانے کے لیے محکوم اقوام کے دل میں ان کی اپنی تہذیب کے بارے میں احساس کمتری پیدا کر دیا۔ انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ تہذیب مغرب ہی فائق اور برتر تہذیب ہے۔ غاصب اقوام کو معلوم تھا کہ جب کوئی قوم

احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتی ہے تو پھر اس کے لیے غلامی کی زنجیروں کو توڑنا بہت مشکل ہو جاتا ہے ایشیاء اور افریقہ کی اکثر قوموں کے ساتھ یہی ہوا۔

مغربی تہذیب کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ یہ مادی ترقی اور کسب زر کو ہی زندگی کی معراج سمجھتی ہے۔ اہل یورپ نے اپنے آپ کو مادی زندگی کی لذتوں میں ایسا منہمک کیا کہ لذتیں بجائے خود مقصود بن گئیں۔ مادی زندگی کی قدر و قیمت میں اس قدر غلو، خود غرضی اور بے مروتی کے فروغ کا باعث بن گیا اور انسانی اخلاق اور روحانی اقدار کی کوئی قدر و قیمت نہ رہی چنانچہ انسانی ندگی میں اعتدال، توازن اور ہم آہنگی قائم نہ رہ سکی جو ایک صحت مند معاشرے کے لیے ضروری ہے خالص مادیت کی بنیادوں پر کسی تہذیب کو استحکام نصیب نہیں ہو سکتا۔[22] نئی تہذیب کی بد قسمتی یہی ہے کہ اس نے عقل کو بے لگام چھوڑ دیا ہے کہ وہ قافلہ انسانی کو جس طرح چاہے لے جائے، زندگی کے ارتقاء کے لیے ضروری ہے کہ عقل پر اخلاقی پابندیاں عائد کی جائیں۔

ثقافتی مزاحمت

بلاشبہ اسلام اور مغرب کے درمیان بڑے بنیادی ثقافتی اختلافات موجود ہیں۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نے مغرب کی ثقافتی سامراجیت کی ہمیشہ مزاحمت کی ہے۔ اگرچہ نو آبادیاتی نظام کے دوران اور اس کے بعد بھی مسلم ممالک میں مغرب کے ہمہ پہلو ثقافتی حملے کے باعث مسلم معاشروں کا ایک بڑا حصہ لادینیت (سیکولرازم) کی طرف مائل ہوا اور مغربی رنگ میں رنگا گیا، لیکن اس کے باوجود یہ حملہ مسلم معاشروں کے تمام عناصر کے خلاف کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ تاہم اسلام نے اپنی تہذیب و ثقافت کو بچانے یا پھیلانے کے لیے جنگ کا سہارا لیا ہے اور نہ اس مقصد کے لیے لڑتا رہا ہے۔ بہر حال یہ بات ضرور ہے کہ اسلام کی ثقافت میں یہ گنجائش ہی نہیں کہ وہ ایسے غیر ملکی نظریات اور اخلاقیات کو قبول کرے جو اسلامی اخلاق اور نظریات سے متصادم ہوں۔ اسلام کی یہ بھی ثقافت نہیں کہ وہ اپنے ثقافتی غلبے کے لیے جنگ میں کود پڑے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی ثقافت یہ ہے کہ وہ ہر ایسی ثقافتی سامراجیت کی مزاحمت ضرور کرتا ہے جو اس پر محسوس یا غیر محسوس انداز سے ٹھونسنے کی کوشش کی جائے۔ یوں اسلام اپنی ثقافت کو محفوظ و مامون رکھنے کے لیے جدوجہد میں مشغول ہے۔[23]

باہم مکالمے کی ضرورت

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ تو دوسرے مذاہب، ثقافتوں اور تہذیبوں میں اختلافات قبول کرتا ہے لیکن وہ ثقافتی اور تہذیبی سامراجیت کو مسترد کرتا ہے۔ اسلام مغربی تہذیب کی سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کو تسلیم کرتا ہے، لیکن وہ اس کی فلسفیانہ بنیاد کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ سائنس پر اہل فرنگ کی اجارہ داری نہیں بلکہ ایک لحاظ سے تو یہ مسلمانوں کی گمشدہ متاع ہے۔ جدید یورپی تہذیب بڑی حد تک اس پیغام کی تکمیل ہے جو اسلام نے دیا تھا۔ مغربی تہذیب نے گزشتہ چند صدیوں کے دوران سائنس اور ٹیکنالوجی میں فتوحات حاصل کی ہیں اور عمومی طور پر جس چینی قوت کا مظاہرہ کیا ہے، سید مودودی اس کے معترف ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ مغربی تہذیب صحیح سمت کے شعور سے محروم ہے اور انسانی زندگی یا سماج کے بارے میں اپنے غیر حقیقی بنیادی اصولوں کی وجہ سے اندر سے گل سڑ چکی ہے۔[24] اس کا واضح مطلب ہے کہ اسلام صرف اسی لیے مغرب کو سراسر قبول کرنے کا حامی نہیں جیسا کہ اہل مغرب اکثر قرار دیتے ہیں کہ اسلام مغرب سے بالکل مختلف ہے اختلافات کا مطلب صرف تصادم یا محاذ آرائی نہیں ہوتا، بلکہ اختلافات تو باہمی بات چیت اور مکالمے کا تقاضا کرتے ہیں یہ ممکن ہے کہ ثقافتی اور تہذیبی اعتبار سے دونوں کے درمیان مختلف نظریاتی اصولوں کی بناء پر اختلافات موجود رہیں لیکن مشترکہ اور انسانی مفادات کی بنیاد پر مختلف معاشروں کے

درمیان باہمی مفاہمت اور تعاون کا قیام تو بالکل ممکن ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ فطری طور پر وہ (اسلامی تحریکیں) اصولوں پر تو سمجھوتہ نہیں کرتیں، لیکن وہ اپنی حکمت عملی، عملی تدبیروں اور طریق کار میں لچک دار ہیں، اسلامی تحریکیں مغرب کے ساتھ مکالمے کی خواہش مند ہیں وہ نہ تو خود پسند اور مغرور ہیں اور نہ دنیا سے الگ تھلگ رہنے کو ترجیح دیتی ہیں وہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتی ہیں کہ آج کی دنیا ایک عالمی ترے (Global City) کی حیثیت اختیار کرتی جارہی ہے۔ ہمیں اس دنیا میں دوسروں کے ساتھ زندگی بسر کرنی ہے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے، جب ہم سب اپنے سیاسی، فکری، اقتصادی اور سماجی مسائل کے حل کے لیے انسانی بھلائی پر مبنی نقطہ نظر اختیار کریں۔[25]

مغرب کالادینی عالمی نقطہ نظر

اس تصادم کی جو وجوہ بیان کی ہیں ان میں سے ایک اہم وجہ مغرب میں رواج یافتہ لادینیت اور الحاد (Godlessness) ہے۔ مسلمان، مغرب پر اس لیے حملے نہیں کرتے کہ وہ ایک نامکمل اور اغلاط سے پر مذہب کا پیروکار ہے، جو بہر حال ایک حامل کتاب مذہب ہے بلکہ اس لیے کہ وہ (مغرب) کسی مذہب کا قائل ہی نہیں۔ مسلمانوں کی نظر میں مغرب کی لادینیت اور لامذہبیت اور اس کی وجہ سے اس کی بداخلاقی، مغربی میسحیت کی نسبت ان برائیوں کی جڑ اور زیادہ بڑی برائی ہے سرد جنگ کے زمانے میں مغرب اپنے مخالفوں کو بے دین کمیونزم قرار دیتا رہا، لیکن سرد جنگ کے بعد تہذیبوں کے درمیان جنگ میں مسلمان اپنے مخالفوں کو بے دین مغرب کی حیثیت میں دیکھ رہے ہیں۔[26]

عالمی ہم آہنگی کے فروغ کے لیے مختلف تہذیبوں سے مذہبی اور معاشرتی حسن سلوک کی اجازت

اسلام اور مختلف مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ طرز عمل میں ایک نمایاں امتیاز رکھا گیا ہے۔ اسلامی تہذیب کوئی ایسی تہذیب نہیں جو مسلم قوم کو کسی بیرونی ماخذ سے حاصل ہوئی ہو بلکہ اسلامی تہذیب سے مراد اسلام یعنی اس مذہب کی تعین کردہ تہذیب ہے جس کا واضح مقصد انسانی ترقی ہے۔ اہل کتاب کو دعوت دی گئی کہ وہ توحید اور الوہیت کی بناء پر جو انسانی فطرت کی آواز ہے آپس میں متحد ہو جائیں۔ فرقان حمید میں پیغام دیا گیا:

قل یا اھل الکتب تعالو الی کلمته سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللّٰہ۔[27]

کہ دو! اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے ہاں اور تمہارے ہاں یہ کہ نہ عبادت کریں، مگر اللہ کی۔

قرآن نے واضح اعلان کر دیا کہ لا اکراہ فی الدین مذہب کے معاملے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں۔ اسی طرح بعثتِ انبیاء کے حوالے سے بھی الہامی مذاہب اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم موسیٰ، عیسی اور محمد ﷺ کے علاوہ بھی مختلف اقوام کی ہدایت کے لیے کئی اور انبیاء بھی دنیا میں بھیجے۔ اسی طرح یہ تینوں مذاہب حیات بعد الموت اور حساب و کتاب کے قائل ہیں۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کا جواز

انسان کی بنیادی ضروریات میں غذا کی اہمیت مسلم ہے کہ اس پر بقائے ذات کا انحصار ہے فقہ اسلامی میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلمان کے خنزیر یا شراب کو ضائع کر دے تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔[28] حالانکہ یہ دونوں چیزیں اسلام میں حرام ہیں، ہر مذہب کے ماننے والوں کو پرسنل لاء اور کچھ میں آزادی دی گئی ہے۔ جیسا کہ اصول ہے:

هم احرار في شهاد اتهم ومناكي اتهم و مواريثهم و جميع احكامهم ۔[29]

یہ لوگ اپنی شہادت کے احکام، نکاح کے معاملات، وراثت کے قوانین اور دوسرے تمام نجی معاملات میں آزاد ہوں گے۔

اہل کتاب سے حسن سلوک

شام کی فتح کے پندرہ سال بعد حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک پادری نے اپنے دوست کے نام ایک خط میں لکھا: ''یہ طائی (عرب) جنہیں خدا نے آج کل حکومت عطا فرمائی ہے اور وہ ہمارے مالک بن بیٹھے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے بالکل بر سرپیکار نہیں بلکہ اس کے بر خلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں۔[30]

اہل کتاب کے ساتھ ازدواج کی اجازت انسان کی ایک اہم ضرورت بقائے نسل اور نظم معاشرت ہے جس کی بنیاد عائلی زندگی پر ہے اسلام نے اس امر کا خاص اہتمام کیا ہے کہ ایسے ماحول میں شادی بیاہ نہ کی جائے جس سے اسلام اور تمہاری آنے والی نسل کو خطرہ لاحق ہو۔ قرآن وحدیث کے ان احکام کی بناء پر اسلامی شریعت کی ہر ایک چھوٹی بڑی کتاب کی رو سے نہ صرف اہل کتاب سے بلا تبدیل نکاح کر سکتے ہیں بلکہ ان کو نکاح کے بعد بھی اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔

اہل کتاب کی معاشی امداد و کفالت تمدن اور سیاسی حقوق کی اصل کسوٹی دو معاشرتی انصاف ہے جو مملکت کے وسائل کے ذریعہ عطا ہوتا ہے۔ اسلامی نظام زندگی میں محصول زکوۃ اس کا ضامن ہے جس کی ادائیگی کی قانونی ذمہ داری تو صرف مسلمانوں پر لازمی طور پر عائد ہوتی ہے لیکن اہل کتاب کو بھی اس زکوۃ سے استفادہ کا مستحق قرار دیا گیا۔ چنانچہ حضرت عمر نے بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا اللہ کے اس قول میں کہ "انما الصدقات للفقراء والمساکین" زکوۃ جو ہے وہ حق ہے فقرا اور مساکین کا۔[31] فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں دنیا کے دیگر مذاہب کے پیروؤں کے مقابلے میں اہل کتاب سے ایک قسم کی یگانگت اور خصوصی امتیاز روا رکھا گیا ہے۔

سیرت پاک ﷺ کی روشنی میں تہذیبی ہم آہنگی

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ میں غیر مسلموں کے حوالے سے بے شمار نظائر اور مثالیں ملتی ہیں جن سے نہ صرف دور حاضر بلکہ انسانی تاریخ کے ہر دور میں پر امن بقائے باہم کی بنیاد پر تعلقات اور معاہدات کی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ تحمل وبرداشت، عفوو درگزر، رواداری، مساوات کے قیام اور مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے میں بھرپور مدد مل سکتی ہے۔ ان معاہدات میں میثاق مدینہ صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور معاہدہ نجران کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

میثاق مدینہ: بین االتہذیبی عالمی اتحاد تقارب وہم آہنگی کی اساس

ہجرت مدینہ کے بعد رسالت مآب نے یہود مدینہ کے ساتھ تاریخ ساز معاہدہ ''میثاق مدینہ "کیا جو غیر مسلم رعایا کے ساتھ پیغمبر کا پہلا معاہدہ ہے۔ یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔[32] اس تاریخ معاہدہ کی بدولت غیر مسلموں اور مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے افراد اقوام کے حقوق و فرائض اور مذہبی آزادی اور اتحاد و یگانگت کا اصول وضع ہوئے۔

عالمی اتحاد وہم آہنگی کے لیے ایک اور صلح حدیبیہ کی ضرورت

بہ ظاہر معاہدہ حدیبیہ کی تمام شرائط یک طرفہ تھیں اور ان پر عملدرآمد بھی بعید از انصاف۔ مثلاً قریش مکہ نے معاہدے

کے وقت "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھنے پر اعتراض کیا۔ روایات کے مطابق آپ ﷺ نے اسے قبول کر کے "باسمک اللھم" لکھوا دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ لکھنے پر اعتراض کیا گیا تو آپ نے "محمد ﷺ بن عبد اللہ" تحریر کروایا۔[33] پرامن بقائے باہمی، مذہبی اعتدال پسندی اور غیر مسلموں سے سفارتی اور علاقائی تعلقات کے قیام کا اس سے بہتر نمونہ ملنا مشکل ہے۔ یہ رسول اکرم ﷺ کی امن پسندی، رواداری اور انسان دوستی کا شاہکار ہے۔ قرآن کریم نے "انا فتحنالک فتحا مبینا"[34] آیت نازل کر کے اعلان فرمایا صلح حدیبیہ ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے پہلے کبھی عالی شان فتح نہیں ہوئی۔ اسی وجہ سے جنگ ختم ہوئی امن قائم ہوا، باہمی منافرت اور دشمنی دور ہوئی، بات چیت کا موقع ملا، اسلامی مسائل پر گفتگو اور مناظرے کی نوبت آئی۔ مشرکین نے قرآن کو سنا جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک اسقدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ آغاز اسلام اور بعثت نبوی سے لے کر اس وقت تک اتنے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔[35]

معاہدہ نجران: غیر مسلم اقلیتوں کے تحفظ اتحاد و یگانگت کی تاریخی دستاویز

رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں قریب قریب پورا جزیرہ العرب زیر نگیں ہو چکا تھا، غیر مسلم رعایا کی حیثیت سے سب سے پہلا معاملہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ پیش آیا، ان کو آپ نے جو حقوق دیئے اور جو معاہدات طے پائے وہ اب تک تاریخ میں قلم بند ہیں۔ ان سے حسن سلوک، رواداری اور اعتدال پسندی کی تعلیم اور ہدایات جاری کیں، ان سے تعلقات کے بہتر رہنما اصول فراہم کیے۔[36] اسی طرح خطبہ حجتہ الوداع جو عالمی انسانی مساوات اور عالمی غلامی سے نجات کا سب سے بڑا چارٹر ہے۔ آپ ﷺ نے نسل، رنگ اور قوم کے بتوں کو پاؤں تلے روند دیا اور تمام انسانوں کو عالمگیر اخوت اور مساوات کے رشتہ میں جکڑ دیا اور انسانی مساوات کا عالمی اعلان فرما کر ساتھ ہی باہمی فضیلت کا دائمی عادلانہ اصول بھی مقرر فرما دیا۔ یہی اصول آگے چل کر عالمی اتحاد اور عالمی جمہوریت کے قیام کا باعث بنا۔

حاصل بحث

بین التہذیبی اور بین الثقافتی ہم آہنگی عصرِ حاضر کا ایک اہم تقاضا ہے، جس کی بنیاد باہمی احترام، انصاف اور مشترکہ انسانی اقدار پر قائم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اس حوالے سے ایک جامع اور عملی نمونہ پیش کرتی ہے۔ مدینہ میں مختلف مذاہب اور قبائل کے ساتھ معاہدات، خصوصاً میثاقِ مدینہ، اس بات کی روشن مثال ہے کہ کس طرح ایک متنوع معاشرے میں عدل، رواداری اور باہمی ذمہ داری کے اصولوں کو نافذ کیا گیا۔ اسی طرح غیر مسلم وفود کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کے مذہبی حقوق کا تحفظ، اور اختلاف کے باوجود پرامن بقائے باہمی کا رویہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اسلامی تعلیمات میں ہم آہنگی اور سماجی توازن کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسی تصور کی تائید انجیل کی تعلیمات سے بھی ہوتی ہے، جہاں محبت، رحم اور دوسروں کے ساتھ بھلائی کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں "اپنے پڑوسی سے محبت کرو" اور "جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرو" جیسے اصول ایک ہم آہنگ اور پرامن معاشرے کی تشکیل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ ان تعلیمات اور سیرتِ نبوی ﷺ کے عملی نمونوں کو یکجا کیا جائے تو ایک ایسا جامع اخلاقی فریم ورک سامنے آتا ہے جو مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے درمیان مکالمہ، تعاون اور پائیدار امن کو فروغ دے سکتا ہے۔

References

1. Mawdūdī, Abū al-Aʿlā, *Islāmī Tahdhīb aur us ke Uṣūl o Mabādīʾ* (Lahore: Islamic Publications Ltd., 2000), 1:50.
2. Durant, Will, *Insānī Tahdhīb kā Irtiqāʾ* (Lahore: Maktab Fikr o Dānish, 2000), 1:75.
3. Kitāb al-Takwīn, 1:26; cited in Mushtāq, Naʿīm, *Islām, Masīḥiyyat aur Mukālima-e-Maḥabbat* (Lahore: Nūriyyah Riḍwiyyah Publications, 2010), 1:120.
4. Muslim ibn Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim* (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 2000), 2:2612, Ḥadīth No. 2612.
5. Al-Baqarah, 2:213.
6. Zabūr, 107:17–20.
7. Matthew, 12:1.
8. Al-Raḍī, al-Sharīf, *Nahj al-Balāghah* (Lahore: Imāmiyyah Publications, 2005), 1:291.
9. Qāḍī ʿIyāḍ al-Mālikī, *Al-Shifāʾ bi-Taʿrīf Ḥuqūq al-Muṣṭafā* (Lahore: Maktabah Aʿlā Ḥaḍrat, 2004):144–145.
10. Al-Tawbah, 9:12.
11. Al-Anʿām, 6:108.
12. Titus, 3:9.
13. Yūnus, 10:63.
14. Matthew, 8:10.
15. Ibn Taymiyyah, *Al-Furqān bayna Awliyāʾ al-Raḥmān wa Awliyāʾ al-Shayṭān* (Karachi: Dār al-Ishāʿat, 2000), 1:22.
16. Corinthians, 13:1–3.
17. Ibid., 13:7–8.
18. Al-Māʾidah, 5:28.
19. Āzād, Abū al-Kalām, *Tarjumān al-Qurʾān* (Lahore: Idārah Tarjumān al-Qurʾān, 2000), 1:138.
20. Fuller, Graham, "The Next Ideology," *Foreign Policy* 98 (1995): 150.
21. Huntington, Samuel P., *The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order* (New York: Simon & Schuster, 1992), 311–312.
22. Mahvī, Ghulām ʿAbbās, *Iqbāl kā Khuṣūṣī Muṭālaʿah* (Lahore: Ilm Publishers, 2005), 1:55.
23. Alī, Muḥammad Mumtāz, *Tahdhībī Taṣādum yā Baqāʾ-e-Bāhamī* (Lahore: Mansūra Publications, 2008), 1:60.
24. Aḥmad, Khurshīd, and Zafar Isḥāq Anṣārī, "Mawlānā Sayyid Abul Aʿlā Mawdūdī: An Vision of Islam and Islamic Revival," in *Islamic Perspectives: Studies in Honour of Mawlānā Mawdūdī* (Leicester: Islamic Foundation, 1979), 368.
25. Aḥmad, Khurshīd, *Islamic Resurgence*, 15.
26. Huntington, *The Clash of Civilizations*, 212.
27. Āl ʿImrān, 3:63.
28. Ibn ʿĀbidīn, *Radd al-Muḥtār* (Beirut: Dār al-Fikr, 2000), 3:273; cited in Mawdūdī, *Islāmī Riyāsat mein Dhimmīyōn ke Ḥuqūq*, 1:90.
29. Amīnī, Muḥammad Taqī, *Islām aur Jadīd Daur ke Masāʾil* (Lahore: Maktabah Faḍl al-Raḥmān, 2000), 336.
30. Amīnī, *Islām aur Jadīd Daur ke Masāʾil*, 337.
31. Sandūsī, Aḥmad ʿAbdullāh, *Madhāhib-e-ʿĀlam* (Lahore: Makkī Dār al-Kutub, 2000), 1:40.
32. Haykal, Ḥusayn, *Ḥayāt Muḥammad* (Cairo: Maṭbaʿat al-Nahḍah al-ʿAṣriyyah, 1947), 227.
33. Ḥamīdullāh, Muḥammad, *Al-Wathāʾiq al-Siyāsiyyah fī al-ʿAhd al-Nabawī* (Beirut: Dār al-Nafāʾis, 2000), 79–80.
34. Al-Fatḥ, 48:1–4.
35. Ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī, *Fatḥ al-Bārī* (Beirut: Dār al-Maʿrifah, 2000), 5:256.
36. Al-Balādhurī, *Futūḥ al-Buldān* (Cairo: Dār al-Nashr, 2000), 72.